عنوان

انسان کی فطری آزادی اور قرآن وسنت: چند اضافی معلومات

جامع ومرتب

حضرت مولانا محمد ظفر الدین برکاتی

مدیر ماہنامہ کنزالایمان، دہلی

پیش کش: کل ہند مرکزی امام فاؤنڈیشن، دہلی

Contact No: 8595509193

Telegram Link: https://t.me/MarkaziImam

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّا ھَدَیۡنٰہُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوۡرًا (سورہ الدھر، آیت 03)

ترجمہ: ہم نے اس کو راہ سجھا دی، اب چاہے وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا ۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایمان، عقیدہ اور توحید سے متعلق اہم اور بنیادی معاملات میں بھی انسان کو اختیار اور آزادی عطا کی ہے۔ سمیع و بصیر بنا کر اور اپنے نبیوں اور اپنی کتابوں کے ذریعے شکر و کفر کا راستہ بتا کر اس کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ جس راستے کو چاہے اپنے Arun منتخب کرے۔ جو راستہ بھی وہ اختیار کرے گا، اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔

لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ ۟ۙ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ ۚ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ یُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی ٭ لَا انۡفِصَامَ لَہَا ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ (سورہ البقرہ.آیت 256)

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے تو جس نے طاغوت سے انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط رسی پکڑی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

وَ لَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کُلُّہُمۡ جَمِیۡعًا ؕ اَفَاَنۡتَ تُکۡرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ (سورہ یونس.آیت 99)

ترجمہ: اگر تیرا رب چاہتا تو روئے زمین پر جتنے لوگ بھی ہیں سب ایمان قبول کر لیتے تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن بن جائیں؟

دوسری جگہ فرمایا :

فَذَکِّرۡ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ؕ لَسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَۜیۡطِرٍ (سورہ الغاشیہ.آیات 21-22)

ترجمہ: تم یاد دہانی کر دو، تم بس ایک یاد دہانی کر دینے والے ہو۔ تم ان پر داروغہ نہیں مقرر۔

برادران اسلام !

اسلام کی نظر میں انسان پابند محض نہیں کہ اس کو کسی طرح کے ارادہ و اختیار کی آزادی نہ ہو۔ اسی طرح وہ اس قسم کی بے مہار بے لگام آزادی کو بھی خارج کرتا ہے جو سماج میں انتشار اور بدامنی کا سبب بنے یا جس سے فساد فی الارض رونما ہوتا ہو۔ دین اسلام ارادہ و اختیار کی آزادی کو سراہتے ہوئے، جبر و اکراہ اور ظلم و تشدد کو مسترد کرتا ہے۔ اسلام آزادی کو انسان کا بنیادی حق قرار دیتا ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ایک ایسا فریضہ تصور کرتا ہے جس سے دست برداری جائز نہیں۔ وہ ایک خدائے واحد کی بندگی کا پابند بنا کر سیکڑوں خداؤں کی بندگی سے انسان کو آزادی دلاتا ہے۔ انسانی بھائی چارے کو تقویت پہنچا کر مضبوط، پائیدار اور صحت مند

سماج کی تشکیل میں اہم رول ادا کرتا ہے. جان، مال، دین، عقل، عزت وناموس کی حفاظت کو یقینی بنا کر ترقی وخوش حالی کے وسیع امکانات پیدا کرتا ہے۔ فطری آزادی کا پروانہ عطا کرکے انسان کو سعادت دارین کی شاہراہ پر ڈال دیتا ہے۔

حضرات گرامی!

اسلام کے عطا کردہ حقِّ حریت کے دائرے میں ہر قسم کی آزادی آزادی آتی ہے اور یہ بہت سے انسانی حقوق کی بنیاد ہے، مثلاً ایمان وعقیدے کی آزادی، مذہب کی آزادی، فکر و نظر کی آزادی، اظہار رائے کی آزادی، مثبت و مفید کام کی آزادی، رہائش کی آزادی، ملکیت کی آزادی، فائدہ اٹھانے کی آزادی، سیاسی آزادی، شہریت کی آزادی، حتی کہ انسان کی انسانیت بھی اس کی آزادی کی مرہون منت ہے۔

دراصل دین اسلام اپنے تصور آزادی کو حقوق وفرائض کے توسط سے عملی جامہ پہنچاتا ہے کیوں کہ یہ دونوں ایک ہی سکے کے دورخ ہیں، اس لئے کہ جب تک حقوق کو فرائض سے مربوط اور منسلک نہیں کیا جاتا، انسان کا دوسرے انسانوں سے صحیح بنیادوں پر تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان اپنے حقوق سے واقف اور فرائض سے ناواقف ہوگا تو وہ اپنے فرائض کی ادائیگی ہرگز نہیں کر سکے گا۔

بات یہ ہے کہ اسلام اس بات کا علم بردار ہے کہ انسان کی انسانیت، اس کی آزادی کی مرہون منت ہے۔ مومن کی مستقل اور توانا شخصیت سازی کے پیش نظر نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنی سنتِ مطہرہ اور سیرتِ طیبہ میں آزادی کے اصول کی تمام معاملات میں زبردست حوصلہ افزائی فرمائی ہے، خواہ اُس کا تعلق فکر و نظر سے ہو یا اظہار اور ابلاغ سے یا دین اور دنیا کے معاملات میں اجتہاد و جہاد سے۔ عہدِ رسول ﷺ اور عہد صحابہ اور اُس کے بعد کی اسلامی تاریخ واضح اور دستوری کی آزادی کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

خلاصہ یہ کہ

اسلام کا تصور آزادی بہت وسیع ہے۔ اسلام جب انسان کی آزادی کی بات کرتا ہے تو وہ انسان کو ہر اس چیز سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے جو اس کی عزت نفس اور شرافت و کرامت کو نیست ونابود کرنے والی ہو۔ وہ اس کے دل اور جذبات کو شیطانی محرکات اور نفسانی خواہشات کے غلبے سے بھی آزاد کرتا ہے۔ اس کی عقل اور سوچ کو اوہام و خرافات اور فکری انحرافات کی پابندیوں سے بھی آزاد کرتا ہے۔ وہ اس کے جسم و جان کو غلامی، رُسوائی اور ظلم و جبر کے عناصر سے آزاد کرتا ہے۔ وہ انسان کو صرف اللہ وحدہ لاشریک کا بندہ بناتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے لئے آزادی، عزت اور امتیاز کی زندگی پسند کی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِىۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا۔(سورہ بنی اسرائیل، آیت 70)

ترجمہ: ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور خشکی اور تری دونوں میں ان کو سواری عطا کی۔ ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا اور ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت دی۔

حضرت عمر فاروق اعظم کا مشہور قول ہے :

مَتَیٰ اِستَعبَدتُمُ النَّاسَ وقدولَدَتھُم اُمَّھَاتُھُم اَحرَاراً.

کہ تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا جب کہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا تھا ۔

انسان جب جواب دہی کی بات کرتا ہے تو وہ انسان کی تربیت اس انداز سے کرتا ہے کہ وہ اسے ایک امانت خیال کر کے اس کی قدر و منزلت کا اعتراف کرے۔ایسا کرنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ یہ بات بھی ایمان کے تقاضوں میں شامل ہو۔قرآن کہتا ہے:

وَالَّذِینَ ھُم لِاَمَانَاتِھِم وَعَھدِھِم رَاعُونَ.(سورہ المعارج آیت 32)

ترجمہ: جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔

حضرت انس بن مالک سے ایک حدیث نبوی ﷺ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا :

لَا اِیمَانَ لِمَن لا اَمَانَتہ لَہُ لَا دِینَ لِمَن لَا عَھدَلَہ.(مسند احمد)

ترجمہ: جو شخص امانت دار نہیں ہے اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں اور جو شخص وعدے کا پابند نہیں اس کے دین کا کوئی اعتبار نہیں۔

یعنی آزادی کا ایک تصور یہ بھی ہے کہ اسلام تمام انسانوں کو اپنے اپنے دائرہ عمل اور استطاعت و وسعت کے اعتبار سے جواب دہ قرار دیتا ہے۔مشہور حدیث پاک ہے:

کُلُّکُم رَاعٍ وَکُلُّکُم مَسؤُولٌ عَن رَعِیَّتِہِ.(صحیح البخاری)

ترجمہ: ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی اپنی ذمہ داری کی بابت بازپرس ہوگی۔

یعنی انسان کی جواب دہی کا دائرہ صرف دنیاوی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اس کی مسؤولیت کا سلسلہ آخرت تک دراز ہے۔اسلام اپنے ماننے والوں کی اس انداز میں تربیت کرتا ہے کہ وہ جواب دہی کے معاملے کو آسان نہ سمجھیں۔خاص طور پر جب معاملہ عامۃ الناس کے مفادات کی نگرانی کا ہو۔اسلام میں ذمہ داری جتنی بڑی ہوتی ہے،احساس ذمہ داری بھی اسی قدر شدید ہوتا ہے۔

ہمارے وطن عزیز ہندوستان میں جو مختلف افکار و مذاہب اور تہذیب و ثقافت کا گہوارہ ہے، شخصی عہدِ سلطنت میں مذہبی آزادی کی کس قدر پاسداری کی جاتی تھی،اس کا اندازہ بھارت کے ''انگریزی راج'' کے مصنف پنڈت سندر لال الہ آبادی کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے. عہدِ مغلیہ میں مذہبی آزادی پر گفتگو کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور ان کے بعد اورنگ زیب کے تمام جانشینوں کے زمانہ میں ہندو مسلم یکساں رہتے تھے۔دونوں مذاہب کی یکساں توقیر کی جاتی تھی اور مذہب کے لیے کسی کے ساتھ کسی قسم کی جانب داری نہ کی جاتی تھی۔''(روشن مستقبل ص ۲۴)

مذاہبِ عالم کی تاریخ اور واقعات و مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ دین و مذہب کی آزادی کا مسئلہ اس درجہ نازک اور جذباتی ہے کہ جب بھی کسی حاکم یا حکومت کی جانب سے اس پر قدغن لگانے کی غیر اخلاقی اور غیر قانونی کوشش کی گئی ہے تو عوام نے اسے برداشت نہیں کیا ہے بلکہ اکثر حالات میں حکومت کا یہی بیجا رویہ بغاوت اور انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا ہے۔ آزادیِ ہند کی تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ برطانوی حکومت کے خلاف ۱۸۵۷ء کی تاریخی جنگ و جہاد کا اہم ترین محرک اور سبب مسلمانوں اور ہندوؤں کا یہ اندیشہ تھا کہ ان کے مذہب میں رخنہ اندازی اور اسے خراب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ تحریک آزادی کے عظیم رہنما اور آزاد ہندوستان کے اولین وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک موقع پر حکومتِ برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

>''اسلام کے احکام کوئی راز نہیں جن تک گورنمنٹ کی رسائی نہ ہو، وہ چھپی ہوئی کتابوں میں مرتب ہیں اور مدرسوں کے اندر شب و روز اس کا درس دیتے ہیں۔ پس گورنمنٹ کو چاہیے کہ صرف اس بات کی جانچ کرے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ایسے ہیں یا نہیں. اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ایسا ہی ہے تو پھر صرف دو ہی راہیں گورنمنٹ کے سامنے ہونی چاہئیں یا مسلمانوں کے لئے ان کے مذہب کو چھوڑ دے اور کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ان کے مذہب میں مداخلت ہو یا پھر اعلان کر دے کہ حکومت کو مسلمانوں کے مذہبی احکام کی کوئی پرواہ نہیں۔ نہ اس پالیسی پر قائم ہے کہ ''ان کے مذہب میں مداخلت نہیں ہوگی'' اس کے بعد مسلمانوں کے لئے نہایت آسانی ہو جائے گی کہ وہ اپنا وقت بے سود شور و فغاں میں ضائع نہ کریں اور برٹش گورنمنٹ اور اسلام ان دونوں میں سے کوئی ایک بات اپنے لئے پسند کرلیں۔'' (مسئلۂ خلافت و جزیرۂ عرب ص ۲۰۴)

برادرانِ اسلام !

انسان کی فطری آزادی، وطن دوستی اور دین و مذہب کے حوالے سے ہمارے بڑوں نے جو جمہوری دستوری لکیر کھینچی ہے، ان کو یاد رکھیں:

(الف) ہمارا نصب العین کامل اور دستوری آزادی ہے۔

(ب) وطن عزیز میں مسلمان دستوری طور پر آزاد ہوں گے۔ ان کا مذہب اور مسلم پرسنل لا آزاد ہوگا۔ مسلم ثقافت اور تہذیب آزاد ہوگی۔ وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہیں کریں گے جس کی بنیاد دستوری آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

(ج) ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت والی کروڑوں کی آبادی پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو، ایک لحہ کے لئے بھی گوارا نہ ہوگی، یعنی آزاد ہند جمہوری مملکت کی تشکیل ایسے اصولوں پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

اسی تناظر میں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ہم آزاد ہندوستان سے وہ آزاد ہند مراد لیتے ہیں جس میں مسلمانوں کا مذہب ان کی اسلامی تہذیب اور قومی خصوصیات بھی آزاد ہوں... مسلمان جو، انگریز کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے شاندار قربانیاں پیش کر چکے ہیں اور آگے بھی پیش کریں گے ان کی نسبت پھر کسی دوسری قوم کی غلامی قبول کرنے کے تصور سے بھی ان کی سخت توہین ہے جسے وہ کبھی برداشت نہیں کریں گے۔

آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ دین ومذہب کا مسئلہ کس قدر نازک اور جذباتی ہے۔ بالخصوص مسلمان اس بارے میں کس درجہ حساس ہیں، مذہب کی اسی حیثیت و اہمیت کا نتیجہ ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد جب آزاد ہندوستان کا دستور مرتب ہوا تو اس میں خصوصی طور پر مذہبی حقوق پر توجہ دی گئی اور دین و مذہب کی آزادی کو بنیادی اصول میں شامل کیا گیا جس کے تحت حسبِ ذیل دفعات رکھی گئیں:

دفعہ ۲۵ :

۱) (تمام اشخاص کو ضمیر کی آزادی اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی کرنے اور اس کی تبلیغ کا مساوی حق ہے، بشرطیکہ امنِ عامہ، اخلاقِ عامہ، صحتِ عامہ اور اس حصہ کی دیگر متعلقہ چیزیں متاثر نہ ہوں۔

مگر ملک کی سب سے قدیم سیاسی جماعت ''کانگریس پارٹی''، جس کے پرچم تلے آزادی کی متحدہ تحریک کامیاب ہوئی، جس کی حکومت کی نگرانی میں ملک کا شاندار دستور مرتب ہوا، جو ملک میں جمہوریت اور سیکولرزم کی سب سے بڑی دعویدار ہے، اس کی روایات کا تقاضا تھا کہ وہ اس مسئلہ میں سب سے زیادہ حساس ہوتی اور دستور کی پاسداری، نیز جمہوری قدروں کو پروان چڑھانے میں اس کا قدم سب سے آگے ہوتا لیکن واقعات و مشاہدات بتا رہے ہیں کہ اسی پارٹی کے زیرِ اقتدار دستور کی سب سے زیادہ پامالی ہوئی ہے اور اقلیتوں کے مذہبی و ثقافتی ہی نہیں بلکہ ان کے معاشی، اقتصادی اور شہری حقوق پر بھی بارہا شب خوں مارا گیا ہے، اسی پر دیگر سیاسی پارٹیوں اور حکومتوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اس لئے وطن عزیز کی سبھی اقلیتیں اگر عزت و آبرو اور مکمل حقوق کے ساتھ یہاں رہنا چاہتی ہیں تو انھیں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے متفقہ حکمتِ عملی تیار کرنی ضروری ہے، اقلیتوں کے قائدین، اس مسئلہ کی نزاکت کو محسوس کریں اور اس بارے میں بروقت عملی قدم اٹھائیں۔ یعنی کو آزادی ملی ہے اس کی حفاظت و تحفظ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں اور تحریک آزادی کا سلسلہ جاری سمجھیں۔

پیغامِ عمل

وطن عزیز بھارت کے موجودہ حالات اگرچہ جزوی طور پر ہمارے مخالف ہوں اور ہمارے دستوری اور جمہوری حقوق پامال کیے جا رہے ہوں اور ہمارے اسلاف کی روشن تاریخ کو مٹانے کی سرکاری سطح پر غیر قانونی سازشیں چل رہی ہوں، ان سب کے باوجود ہمیں اپنے ملک و ملت کی خیر خواہی اور فلاح و بہبود کے لئے اور ملت و جماعت کی تعمیر و ترقی کے لئے جو کچھ بھی کرنے کی آزادی میسر ہے، اسے غنیمت سمجھتے ہوئے قدم آگے بڑھاتے رہنا چاہیے ورنہ آگے حالات کتنے خراب ہو سکتے ہیں یہ اندازہ کرنا مشکل ہے۔ یوم آزادی اور یوم جمہوریہ تو سال میں دو مرتبہ آتے ہیں لیکن ہماری ذمے داریاں سال کے ہر دن کو شامل ہیں، اس سلسلے میں بھارت کی تعمیر و ترقی کے حوالے سے اپنے اسلاف اور مسلم حکمرانوں کی ترقی پسند تاریخ سے اپنی نسلوں کو آگاہ کرتے رہنا بھی لازمی ہے اور یہ تاریخ ایک دو سال نہیں بلکہ ایک ہزار سال کی روشن تاریخ ہے۔